تفسیر نور العرفان (قسط ۱۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

① مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب سورت نمل (۴۴) کے تحت لکھتے ہیں:

''تیری بارگاہ میں بغیر وسیلہ نہیں آئی، حضرت سلیمان پیغمبر کے ساتھ آرہی ہوں، اگر میں قابل قبول نہ ہوں، تو اس ساتھ والے کے صدقہ سے قبول فرمالے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص607)

آیت کریمہ کی تحریف ہے۔ یہاں صدقہ وسیلہ کی کوئی بات نہیں۔ ملکہ سبا کہہ رہی ہیں کہ اے اللہ میں مسلمان ہوں گئی ہوں۔ میں سلیمان علیہ السلام کے دین کے تابع ہو کر تیری فرمانبرداری کروں گی۔

② مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اب یادگاروں اور تبرکات نسب وغیرہ میں شہرت کافی ہوگی، علیحدہ نص کی ضرورت نہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص607)

ان چیزوں میں شہرت کافی نہیں۔ نسب کے لیے ثبوت درکار ہے، وہ نکاح ہے۔ دراصل یہ بات اپنی مذعوم قبروں کے دفاع میں کی گئی ہے۔ کتنی ہی جگہیں ایسی ہیں، جہاں کوئی دفن بھی نہیں ہوتا، مگر وہاں دربار بنا لیے جاتے ہیں، جبکہ ان قبروں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ بزرگوں کے تبرکات کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ خلفائے راشدین اور دیگر اصحاب رسول

کے آثار سے تبرک نہیں لیا جاتا تھا۔ لہٰذا بزرگوں کے آثار تبرکات نہیں۔

تبرک صرف نبی کریم ﷺ کے آثار سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ خیر القرون کے مسلمانوں سے غیر نبی سے تبرک حاصل کرنا ثابت نہیں۔ نبوی تبرکات میں بے احتیاطی برتی جاتی ہے، جو بالکل جائز نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے آثار مبارکہ سے تبرک صرف آپ ﷺ کے قریب زمانے والے لوگوں، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کے حصے میں آیا۔ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد ان آثار سے تبرک کا حصول ممکن نہیں، کیونکہ یہ تمام آثار مفقود ہو چکے ہیں، بعض لوگوں نے خود تراشیدہ آثار رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر رکھے ہیں، ان کے پاس اپنے بیان کردہ آثار کے اثبات کی سند تک نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ محض دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔

جس طرح آپ ﷺ سے کوئی قول، فعل یا سکوت منسوب کرنا بہت احتیاط طلب ہے کہ جھوٹ منسوب کرنے سے آپ ﷺ کی یہ حدیث صادق آتی ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ؛ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .

''جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھے۔''

(صحيح البخاري : 107، صحيح مسلم : 3)

اسی طرح کسی ایسے اثر، مثلاً نعلین، بال، جبہ یا پگڑی کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا بھی انتہائی احتیاط طلب ہے، ایسا کرنے والا بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی وعید کا مصداق ہے۔ لہٰذا اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے، خود ساختہ تبرکات کو نبوی تبرکات کہہ کر لوگوں میں متعارف کروانے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہئے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ تو

منسوب نہیں کر رہے؟

اگر کوئی شخص چودہ سو سال گزر جانے کے بعد نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب تبرکات کا دعویٰ کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دعویٰ پر صحیح سند پیش کرے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ نعلین شریفین نبی کریم ﷺ کے ہیں یا یہ مبارک بال آپ ﷺ کے ہیں، تو کیا اتنی سی بات پر ان نعلین اور بالوں کی تعظیم و تکریم کرنا شروع کر دی جائے؟ ان سے تبرک حاصل کرنے لگیں؟

نہیں بلکہ ان کے انتساب پر صحیح سند کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر کوئی صحیح سند پیش نہ کر سکا تو اس کی بات کو ٹھکرا دیا جائے گا، کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر جھوٹ ہے، لہٰذا اس معاملہ کی حساسیت کو سمجھنا ہوگا۔

بجا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے منسوب کوئی چیز باوثوق ذرائع سے ثابت ہو جائے، تو اس سے تبرک کا انکار کرنا سراسر گمراہی اور انتہا درجہ کی بدبختی ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ بعض لوگ نبی کریم ﷺ کے معاملہ کو انتہائی حقیر سمجھتے ہوئے سینہ زوری سے کام لیتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے دلیل و ثبوت کا طالب ہو تو اس پر گستاخ کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔

③ مفتی صاحب سورت نمل (٦٥) کے تحت لکھتے ہیں:

"آیت کے معنی یہ ہی ہیں کہ حقیقی طور پر غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، پھر جسے وہ بتا دے، اس کے بتانے سے وہ بھی جانتا ہے......اسی سے انبیاء و اولیا کا علم ثابت ہے۔"

(تفسیر نور العرفان، ص610)

❀ نیز سورت نمل (٧٥) کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت کریمہ میں انبیا و اولیا کے علم غیب کا اعلیٰ ثبوت ہے، بلکہ یہ عطاء الٰہی فرشتے بھی جانتے ہیں، کیونکہ ان کی نظر لوح محفوظ پر ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص610)

جسے اللہ تعالیٰ بتا دے، وہ بھی جان لیتا ہے، جسے نبی بتا دے، وہ بھی جان لیتا ہے، تو اس سے عالم الغیب ہونا لازم نہیں آتا۔ انبیائے کرام کے پاس وہی علم تھا، جو ان پر وحی ہوا اور انہوں نے من وعن وہ علم امت تک پہنچا دیا، تو کیا اس سے اُمت بھی عالم الغیب بن گئی؟ لہٰذا علم غیب ذاتی اور علم غیب عطائی کی تقسیم بے معنی ہے۔ وحی کے علاوہ انبیائے کرام کے لیے علم ثابت کیا جائے!

مفتی صاحب کی کوشش ہے کہ ہر ایک کو عالم الغیب ثابت کریں، وہ تو شیطان، فرشتوں، جنوں وغیرہ کے لیے بھی علم غیب ثابت کرتے ہیں۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهٗ يَعْلَمُ الْغَيْبَ، فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ: لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ.

''جو آپ کو بتائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

(صحيح البخاري: 7380، صحيح مسلم: 177)

برادران وخواہر! سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسے جھوٹا قرار دے رہی ہیں، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہے، قرآنِ کریم کی آیت کریمہ ثابت کر رہی ہیں کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہیں تھے،

آپ کو جو کچھ بتایا جاتا وحی کے ذریعے بتایا جاتا، خود سے آپ کچھ نہیں جانتے۔

❀ سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک بچی نے کہا:

فِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ .

''ہمارے ہاں وہ نبی تشریف فرما ہیں، جو جانتے ہیں کہ کل کیا ہوگا؟''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَقُولِي هٰكَذَا . ''یہ نہ کہیں۔''

(صحيح البخاري :4001)

سنن ابن ماجہ (۱۸۹۷، وسندہ صحیح) میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی سے فرمایا:

مَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ .

''کل کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔''

❀ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ .

''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود نہیں جانتا کہ میرے اور آپ کے ساتھ کیا ہوگا؟''

(صحيح البخاري : 7017)

اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ غیب صرف اللہ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ بعض علما نے کہا ہے کہ جو مخلوق میں علم غیب ثابت کرے، وہ کافر ہے۔

یادرہے کہ ائمہ اہل سنت قرآن واحادیث کے دلائل سے بخوبی واقف تھے، ان کے معانی ومفاہیم کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ وہ تمام آیات واحادیث جو بعض احباب نبی

کریم ﷺ کے عالم الغیب ہونے پر پیش کرتے ہیں، ائمہ متقدمین کو ان کا بخوبی علم تھا، لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں، اگر ان آیات واحادیث سے نبی کریم ﷺ کا عالم الغیب ہونا ثابت ہوتا، تو اسلاف امت ضرور ثابت کرتے۔ ان کا ثابت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن وحدیث سے نبی کریم ﷺ کا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود اگر آج کوئی کتاب وسنت سے نبی کریم ﷺ کا عالم الغیب ہونا ثابت کرے، تو وہ تاویل یا تحریف ہے، حق نہیں۔ نیز وہ زبان حال سے یہ باور کروا رہا ہے کہ اسلاف امت ایسے عقیدہ سے ناواقف رہ گئے، جس پر یہ بعد والا مطلع ہو گیا۔ یہ واضح الحاد ہے۔ ائمہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی واتفاقی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل نہیں سنی جائے گی، کیونکہ حق وہی ہے، جسے ائمہ اہل سنت نے اختیار کیا۔ ان کا ہر عقیدہ وعمل کتاب وسنت کے دلائل پر قائم ہے۔

④ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اسی طرح اللہ والوں کے پر رونق آستانوں کی زیارت کرنے کے لیے سفر کرنا، تاکہ رب کی عبادت کا شوق پیدا ہو اور اُمید بڑھے، بہتر ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص610)

اسلام میں آستانے، قبے، مقبرے وغیرہ بنانے کا کوئی جواز نہیں۔ یہ معصیت ہیں، لہٰذا ان کی طرف سفر بھی معصیت ہے۔ آستانے اور قبے دراصل روافض کی بدعت ہے، جو مسلمانوں میں در آئی ہے۔ خانقاہوں میں بدعقیدہ اور تقیہ باز براجمان ہیں، وہ کیسے شوق عبادت پیدا کریں گے؟

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

مِنْهَا تَعْظِيمُهَا الْمُوقِعُ فِي الِافْتِتَانِ بِهَا، وَمِنْهَا اتِّخَاذُهَا عِيدًا، وَمِنْهَا السَّفَرُ إِلَيْهَا، وَمِنْهَا مُشَابَهَةُ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ بِمَا يُفْعَلُ عِنْدَهَا، مِنَ الْعُكُوفِ عَلَيْهَا، وَالْمُجَاوَرَةِ عِنْدَهَا، وَتَعْلِيقِ السُّتُورِ عَلَيْهَا وَسَدَانَتِهَا، وَعُبَّادُهَا يُرَجِّحُونَ الْمُجَاوَرَةَ عِنْدَهَا عَلَى الْمُجَاوَرَةِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَيَرَوْنَ سَدَانَتَهَا أَفْضَلَ مِنْ خِدْمَةِ الْمَسَاجِدِ.

''قبر پرستی کی خرابیوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی ایسی تعظیم کی جاتی ہے جو انسان کو شرک و بدعت میں مبتلا کر دیتی ہے۔اسی طرح انہیں میلہ گاہ بنانا، ان کی طرف سفر کرنا،قبروں کے پاس وہ کام بھی کیے جاتے ہیں جو بت پرستی سے مشابہ ہیں، مثلاً ان پر اعتکاف کرنا، ان کے پاس مجاور بن کر بیٹھنا، ان پر پردے لٹکانا، ان کی خدمت کے لیے وقف ہونا وغیرہ۔قبر پرست قبروں کی مجاوری کو بیت اللہ کی مجاوری پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کا یہ نظریہ ہے کہ قبروں کی خدمت بیت اللہ کی خدمت سے افضل ہے۔''

(إغاثة اللّهفان :1/197)

⑤ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''مردوں کا سننا قرآنی آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص612)

مُردے سنتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں مسلمانوں کے ہاں متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔ یہی اختلاف عقیدے کے لحاظ سے مسلمانوں کی تقسیم کا ایک بڑا سبب بھی ہے۔ یہ مسئلہ

’’سماعِ موتی‘‘ کے نام سے معروف ہے۔

شریعتِ اسلامیہ کے کچھ کُلّی قواعد وقوانین میں چند ایک استثناء ات رکھ دی گئی ہیں۔ان استثناءات کی وجہ سے ان کلی قوانین کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔نصوصِ شرعیہ سے ثابت شدہ استثناءات کو خارج کرنے کے بعد باقی قاعدہ پھر کلی ہی رہتا ہے،مثلاً:

تمام انسانوں کا ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا ہونا ایک کلی قاعدہ ہے۔

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾(الحجرات : ۱۳)

’’اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔‘‘

جبکہ آدم علیہ السلام ماں اور باپ دونوں کے بغیر اور عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے۔

اب کوئی ان دو خاص واقعات کی بنا پر مطلق طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان ماں اور باپ دونوں یا کسی ایک کے بغیر پیدا ہو جاتا ہے،البتہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خاص دو انسان دنیا میں ایسے ہوئے ہیں جن میں سے ایک ماں اور باپ دونوں کے بغیر اور دوسرا باپ کے بغیر پیدا ہوا۔

کلی قاعدے میں بسا اوقات شریعت کچھ استثناء ات رکھ دیتی ہے،لیکن اس سے قانونِ شریعت کی کلّی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔بالکل یہی حال مسئلہ سماعِ موتی کا ہے۔ مُردے نہیں سنتے،البتہ قرآن وسنت کے بیان کردہ خاص اوقات وحالات میں ان کا کوئی خاص بات سن لینا ثابت ہے۔یہ کہنا جائز نہیں کہ مُردے سنتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مردے سنتے ہیں،لیکن ان حالات وواقعات میں،جن کی صراحت نصوصِ شرعیہ نے کر دی ہے۔

لہٰذا مطلق طور پر مُردوں کے سننے کا عقیدہ رکھنا قرآن وسنت سے متصادم ہے۔قرآن وسنت نے مردوں کے سننے کی مطلق نفی کی ہے۔یہی کلی قانون ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِينَ يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾(الأنعام: ٣٦)

”جواب تو وہی دیتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) زندہ کرے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

❁ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ يَقُولُ: الْكُفَارُ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ مَعَ الْمَوْتٰى، فَجَعَلَهُمُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ فِي عِدَادِ الْمَوْتَى الَّذِينَ لَا يَسْمَعُونَ صَوْتًا، وَّلَا يَعْقِلُونَ دُعَاءً، وَّلَا يَفْقَهُونَ قَوْلًا .

”﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ (مُردوں کو اللہ تعالیٰ [روزِ قیامت] زندہ کرے گا۔) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار کو اللہ تعالیٰ مُردوں کے ساتھ ہی زندہ کرے گا، یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں (زندہ ہوتے ہوئے بھی) ان مُردوں میں شامل کر دیا جو نہ کسی آواز کو سن سکتے ہیں، نہ کسی پکار کو سمجھ پاتے ہیں اور نہ کسی بات کا انہیں شعور ہوتا ہے۔“

(تفسیر الطّبري : 855/4)

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾(النّمل : ۸۰)

''(اے نبی!)یقیناً آپ نہ کسی مُردے کو سنا سکتے ہیں، نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں، جب وہ اعراض کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گویا یہ کفار مردے ہیں کہ جس طرح مردے نہیں سنتے اس طرح یہ بھی حق بات نہیں سنتے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾(فاطر : ۲۲)

''زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دے۔(اے نبی!) آپ اہل قبور کو نہیں سنا سکتے۔''

❀ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) ان آیات کے متعلق فرماتے ہیں:

إِنَّهُمَا يُفِيدَانِ تَحْقِيقَ عَدَمِ سَمَاعِهِمْ، فَإِنَّهُ تَعَالٰى شَبَّهَ الْكُفَّارَ بِالْمَوْتٰى لِإِفَادَةِ تَعَذُّرِ سَمَاعِهِمْ، وَهُوَ فَرْعُ عَدَمِ سَمَاعِ الْمَوْتٰى .

''ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے قطعاً نہیں سن سکتے۔اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے تا کہ یہ بتایا جا سکے کہ وہ سُن نہیں سکتے۔کفار کا حق کو نہ سن سکنا، عدمِ سماعِ موتی کی فرع ہے۔''

(فتح القدير : 104/2)

⑥ مفتی صاحب سورت نمل (۹۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''چونکہ مکہ معظّمہ حضور کی جائے پیدائش اور حج کی جگہ ہے، اس سے اس کی یہ عزت افزائی کی گئی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص613)

یہ حقائق سے پہلوتہی ہے۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت باعث برکت اور رحمت ہے، مگر مکہ معظّمہ کو جو عظمت وعزت ملی، وہ ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی بے آباد وادی کی شان وشوکت اور امن وسلامتی کے لیے دعائیں کیں۔

(سورة البقرة : ۱۲٦، سورة إبراهيم : ۳٥)

اہل سنت والجماعت کے نزدیک مکہ اور مدینہ دونوں حرم ہیں، مگر مکہ مدینہ سے افضل ہے۔ جبکہ بعض الناس کا کہنا ہے کہ مکہ اس وقت تک افضل تھا، جب تک نبی کریم ﷺ نے ہجرت نہ کی تھی، ہجرت کے بعد مدینہ افضل ہو گیا۔

⑦ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ حضور ہم سے بے نیاز ہیں، ہم سب حضور کے نیاز مند ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص614)

ایسی باتیں مناسب نہیں، کیونکہ ان میں مبالغہ آمیزی پائی جاتی ہے۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی نیاز مند ہے۔

⑧ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''موسیٰ علیہ السلام کو ہر دیکھنے والا آپ پر عاشق ہو جاتا تھا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص615)

انبیائے کرام کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا مناسب نہیں۔ عشق اس جھوٹی محبت کو کہتے ہیں، جس میں شہوت پائی جائے۔

⑨ مفتی صاحب سورت قصص (۱۴) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو علم لدنی تھا، جو بلا واسطہ استاذ آپ کو عطا ہوا، جیسا کہ ﴿اٰتَیْنٰهُ﴾ فرمانے سے معلوم ہوا۔ یہ علم عطا نبوت سے پہلے دیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں حکم و علم سے مراد نبوت نہیں، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت تو مدین سے مصر آتے ہوئے راستہ میں عطا ہوئی، یہ وہ علم و حکمت ہے، جو نبوت سے پہلے عطا ہوا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص616)

یہاں علم و حکمت سے مراد نبوت ہے۔ یہ درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت مدین سے واپسی پر عطا ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ نے پہلے نبوت ملنے کا ذکر کیا، پھر نبوت کے اسباب کا تفصیلی بیان کیا، کہ مدین تک کیسے پہنچے اور مدین سے واپسی کیسے ہوئی۔

علم لدنی دراصل صوفیا کی اصطلاح ہے۔ اگر اس کا معنی فہم و فراست اور علمی بصیرت مراد لیا جائے، تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ یہ سب علم نبوت کے موافق ہو۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کے متعلق علم و حکمت سے مراد نبوت و رسالت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں پانچ انبیائے کرام کے بارے میں بیان ہوا ہے۔

⑩ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے حضور پر جب قرآن کی پہلی آیت اُتری، تو اس وقت آپ غار حرا میں اعتکاب اور رب کی عبادت میں مشغول تھے، بتاؤ حضور کو یہ عبادت اور اعتکاف کس نے سکھایا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص616)

نبی کریم ﷺ بعثت سے پہلے غار حرا میں عبادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ یہ عبادت کس طریقے سے ہوتی تھی، اس کی حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے، ممکن ہے کہ ملت ابراہیمی کے مطابق ہوتی ہو۔

اگر اس سے مفتی صاحب یہ کشید کرنا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نبوت و رسالت سے پہلے عبادات کے طریقے جانتے تھے، تو ان کا مدعی ثابت نہیں ہوتا۔

⑪ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عزرائیل......''

(تفسیر نور العرفان، ص617)

قرآن وحدیث میں ملک الموت کا نام عزرائیل ثابت نہیں۔

⑫ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ آٹھ سال کی ملازمت مہر نہ تھی، بلکہ نکاح کی شرط تھی، اس لیے فرمایا: ﴿تَأْجُرَنِيْ﴾ میری ملازمت کرو۔ مہر عورت کا ہوتا ہے، نہ کہ عورت کے والد کی ملک۔ مہر صرف مال ہوسکتا ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص619)

مال کے علاوہ بھی حق مہر ہوسکتا ہے۔ فریقین باہمی رضامندی سے جو طے کرلیں، وہ مال ہو، یا منفعت، درست اور جائز ہے۔ قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حق مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کے لیے پانچ سو درہم مہر مقرر فرمایا۔ (صحیح مسلم: 1426) لونڈی کی آزادی کو بھی حق مہر بنانا ثابت ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا.

''رسول اللہ ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اوران کی آزادی کو ہی ان کا حق مہر بنا دیا۔''

(صحيح البخاري : 5086، صحيح مسلم : 1365)

ثابت ہوا کہ کسی کام اور عمل کو بھی حق مہر بنایا جا سکتا ہے۔

❀ **سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:**

خَطَبَ أَبُو طَلْحَةَ أُمَّ سُلَيْمٍ، فَقَالَتْ : وَاللّٰهِ مَا مِثْلُكَ يَا أَبَا طَلْحَةَ يُرَدُّ، وَلٰكِنَّكَ رَجُلٌ كَافِرٌ، وَأَنَا امْرَأَةٌ مُسْلِمَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لِي أَنْ أَتَزَوَّجَكَ، فَإِنْ تُسْلِمْ فَذَاكَ مَهْرِي وَمَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ، فَأَسْلَمَ فَكَانَ ذٰلِكَ مَهْرَهَا قَالَ ثَابِتٌ : فَمَا سَمِعْتُ بِامْرَأَةٍ قَطُّ كَانَتْ أَكْرَمَ مَهْرًا مِنْ أُمِّ سُلَيْمٍ الْإِسْلَامَ، فَدَخَلَ بِهَا فَوَلَدَتْ لَهُ.

''ابوطلحہ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا، تو انہوں نے فرمایا: ابوطلحہ! آپ جیسے شخص کو رد نہیں کیا جاتا، لیکن آپ کافر ہیں اور میں مسلمان عورت ہوں۔ میرے لیے آپ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اگر آپ مسلمان ہو جائیں، تو یہی میرا حق مہر ہوگا، اس سے زائد میں کچھ نہیں مانگوں گی۔ ابوطلحہ مسلمان ہو گئے، یوں یہی (ان کا مسلمان ہونا) سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا حق مہر بن گیا۔ ثابت کہتے ہیں: میں نے کسی عورت کا اتنا قیمتی مہر نہیں سنا، جتنا قیمتی مہر ام سلیم رضی اللہ عنہا کا تھا، یعنی ان کو حق مہر میں اسلام ملا تھا۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ازدواجی

تعلقات قائم کیے، تو سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر بچہ پیدا ہوا۔''

(سنن النّسائي : 3341، وسندهٗ حسنٌ)

اس روایت کو امام ابن حبان (۷۱۸۷) اور حافظ ضیاء مقدسی رحمہ اللہ (المختارہ : ۴۲۶) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

(فتح الباري : 115/9)

❀ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے حق مہر کے بارے میں فرمایا:

اِلْتَمِسْ، وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ.

''تلاش کیجئے، اگرچہ لوہے کی کوئی انگوٹھی ہی مل جائے۔''

(صحيح البخاري : 5121، صحيح مسلم : 1425)

اس کے علاوہ بھی مہر کی عدم تعیین پر کئی دلائل موجود ہیں، ثابت ہوا کہ مال کے علاوہ بھی حق مہر مقرر کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ بزرگ شعیب نے اپنی بیٹی کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کیا، کہ آپ آٹھ سال تک میری بکریاں چرائیں گے۔ ان بکریوں سے ان کی بیٹی بھی فائدہ اُٹھاتی تھیں۔ اس لیے مہر میں ایک کام سونپ دیا۔

⑬ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک لاٹھی تم (موسیٰ علیہ السلام) لے لو بکریاں چرانے کے لیے، آپ کے ہاتھ میں وہ عصا آیا، جو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص620)

بے ثبوت بات ہے۔ انبیائے کرام کے بارے میں احتیاط ضروری ہے۔

⑭ مفتی صاحب سورت قصص (۳۸) کے تحت لکھتے ہیں:

''چونکہ فرعون کے دل میں موسیٰ علیہ السلام سے عناد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کو اپنی طرح

مکان میں سمجھا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص622)

یہ آیت کی غلط تاویل ہے، جو اسلاف امت میں سے کسی نے بیان نہیں کی۔ یاد رہے کہ ائمہ اس آیت کریمہ سے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے، ہر جگہ موجود نہیں۔ اس پر ائمہ اہل سنت کی اجماع ہے۔

امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) نے کیا خوب لکھا ہے:

''اربابِ عقل و خرد! اللہ کے آسمانوں کے اوپر ہونے کی ایک اور قرآنی دلیل سنیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ فرعون کو اس کے کفر اور سرکشی کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سکھا دی تھی۔ وہ گویا سمجھ گیا تھا کہ بشر کا خالق آسمانوں کے اوپر ہے۔ کیا آپ نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا، جو فرعون سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلٰى إِلٰهِ مُوسٰى﴾ (ہامان! میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرو، تاکہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ کو جھانکوں) معلوم ہوا کہ فرعون لعین نے ایک بلند عمارت کی تعمیر کا حکم دے کر گمان کیا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو جھانکے گا۔ فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اسے یہ بتایا تھا کہ ان کا ربّ تعالیٰ بلند و بالا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو صرف اس لئے جھٹلایا تھا تاکہ اپنی قوم کو بہلا سکے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ انہوں نے آیات الٰہی کا ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کیا تھا، حالانکہ ان کے دلوں میں ان کی سچائی کا یقین ہو چکا تھا۔ فرمان الٰہی کا مطلب

یہ ہے کہ گروہ فرعون نے اپنی زبانوں سے حق کا انکار کیا تھا، جبکہ ان کے دلوں میں اس کی صداقت کا یقین تھا۔ گویا فرعون نے اپنی قوم کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے جھوٹے ہونے کا دعویٰ کیا تھا، حالانکہ اس کا دل کلیم اللہ (سیدنا موسیٰ علیہ السلام) کو سچا جانتا تھا، جھوٹا نہیں سمجھتا تھا۔ .... خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام ستاروں، چاند اور سورج پر غور کرنے کے آغاز میں ہی جانتے تھے کہ ان کا خالق اپنی مخلوق سے بلند ہے۔ کیا آپ نے ان کا (چاند، ستاروں اور سورج کو) اپنا ربّ کہنا ملاحظہ نہیں کیا؟ انہوں نے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنے کے لیے نیچے کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ جب انہوں نے اپنے خالق کی معرفت چاہی، تو اس وقت انہیں یقین تھا کہ ان کا ربّ آسمانوں کے اوپر ہے، زمین میں نہیں۔''

(کتاب التّوحید :1/263-264)

❁ امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ (۲۸۰ھ) فرماتے ہیں:

''فرعون نے اپنے کفر اور سرکشی کے باوجود یہ جان لیا تھا کہ اللہ آسمانوں سے اوپر ہے۔ اسی لیے اس نے کہا: ہامان! ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کر، تا کہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ پر جھانکوں۔ اس آیت میں واضح بیان اور روشن دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو معرفت الٰہی کی دعوت اس طرح دیتے تھے کہ اللہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا اور یوں اللہ پر اطلاع پانے کا ارادہ کیا۔''

(الرّد علی الجھمیة، ص 23)

❁ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

كُذِّبَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي قَوْلِهٖ : إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ فَوْقَ السَّمَاوَاتِ .

''فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات میں جھٹلایا کہ اللہ آسمانوں کے اوپر ہے۔''

(الإبانة في أصول الدّيانة، ص 105)

۞ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''جس نے یہ کہا کہ عرش پر کوئی ربّ اور آسمانوں کے اوپر کوئی خالق نہیں، بلکہ وہاں عدمِ محض اور نفیٔ صرف ہے، وہ معطّل ہے اور ربّ العالمین کا انکاری ہے۔ وہ فرعون کا ہم نوا ہے کہ جس نے کہا تھا: ''ہامان! ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کر، تاکہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ پر جھانکوں اور میں اسے سمجھتا تو جھوٹا ہی ہوں۔'' اہل سنت والجماعت اور اسلاف امت متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جُدا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی مخلوق نہیں، نہ مخلوق میں اس کی ذات کا کوئی حصہ ہے۔ اسی بات پر کتاب وسنت کی نصوص اور اسلاف امت وائمہ سنت کا اجماع ہے، بلکہ اس پر تمام پہلے اور بعد والے مؤمنوں اور اہل سنت والجماعت کا بھی اجماع ہے۔ اسلاف امت اس پر بھی متفق رہے ہیں کہ جو شخص استویٰ (مستوی ہونا) کا معنی استولیٰ (غالب ہونا) یا کچھ اور معنی کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے آسمانوں کے اوپر ہونے کی نفی ہو، تو وہ گمراہ جہمی ہے۔''

(الفتاوی الکبریٰ: 468/6)

۞ نیز فرماتے ہیں:

هٰؤُلَاءِ النُّفَاةُ يُوَافِقُونَ فِرْعَوْنَ فِي هٰذَا التَّكْذِيبِ لِمُوسٰى .

''یہ (اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کی) نفی کرنے والے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب میں فرعون کے ہم نوا ہیں۔''

(بيان تلبيس الجهمية في تاسيس بدعهم الكلامية، ص 354)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

''فرمان الٰہی کے مطابق فرعون نے ارادہ کیا تھا کہ آسمان کی طرف چڑھے اور موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کی طرف جھانکے، پھر موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس بات میں جھوٹا ثابت کرے کہ اللہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ اس نے کہا: (ہامان! ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کر، تا کہ میں آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰ کے الٰہ پر جھانکوں، میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔) چنانچہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کو جھٹلایا کہ ان کا ربّ آسمانوں کے اوپر ہے۔ جہمیوں کے نزدیک اللہ کو عرش پر قرار دینے اور اس کے لیے کھانا پینا ثابت کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے خیال میں فرعون نے اللہ کو اس بات سے پاک قرار دیا تھا، جو اس کے لائق نہیں تھی اور (نعوذ باللہ) موسیٰ علیہ السلام نے اس خبر میں جھوٹ بولا تھا، کیونکہ ان کے خیال میں وہ جھوٹا ہے، جو اللہ کو آسمانوں کے اوپر قرار دے۔ اس تکذیب میں وہ فرعون کے موافق ہیں اور موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیا کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اہل سنت نے ان لوگوں کو فرعونیوں کا نام دیا ہے۔ ائمہ اہل سنت کا کہنا ہے کہ یہ لوگ جہمیوں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ جہمی تو اللہ کو ہر جگہ مانتے ہیں،

جبکہ یہ لوگ ذات باری تعالیٰ کو بالکل معطل کرتے ہیں اور اس پر ایسے وصف کا اطلاق کرتے ہیں، جو عدم محض کے ہم معنی ہے۔ بنو آدم میں سے جس گروہ نے بھی ذات باری تعالیٰ کا اثبات کیا ہے، ان کی بات ان سے بہتر ہے۔''

(إعلام المؤقعين : 283/2)

۞ مزید فرماتے ہیں:

''فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی باتوں سے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ ایسے الٰہ کا اثبات کرتے ہیں، جو آسمانوں کے اوپر ہے، حتی کہ اس نے بلند عمارت کے ذریعے اللہ کو دیکھنے کا ارادہ بھی کیا اور اس بارے میں موسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ کا الزام بھی لگایا۔ جہمی یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ اپنی ذات کے ساتھ آسمانوں کے اوپر ہے۔ چنانچہ یہ لوگ فرعون سے کم عقل ہیں، بلکہ اس سے زیادہ گمراہ بھی ہیں۔''

(إجتماع الجيوش الإسلامية، ص 82)

۞ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ نَفَى الْعُلُوَّ مِنَ الْجَهْمِيَّةِ فَهُوَ فِرْعَوْنِيٌّ، وَمَنْ أَثْبَتَهُ فَهُوَ مُوسَوِيٌّ مُحَمَّدِيٌّ.

''جو جہمی ذاتِ باری تعالیٰ کے بلند ہونے کا منکر ہے، وہ فرعونی ہے اور جو اس کا اثبات کرتا ہے، وہ موسوی اور محمدی ہے۔''

(شرح العقيدة الطَّحاوية، ص 186)

⑮ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

’’معلوم ہوا کہ نبی کی نگاہ گزشتہ، آئندہ، موجودہ، معدوم سب کو دیکھ لیتی ہے۔
حضور نے معراج کی رات ان لوگوں کو دوزخ میں عذاب پاتے دیکھا، جو حضور
کی وفات کے صدہا سال بعد پیدا ہوں گے اور بعد قیامت عذاب پائیں گے۔‘‘

(تفسیر نور العرفان، ص622)

یہ کفر و الحاد ہے۔ ائمہ اہل سنت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

معراج کی رات نبی کریم ﷺ نے جو لوگوں کو دوزخ میں عذاب پاتے دیکھا، وہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ آپ کو دکھا دیا۔ اس سے ہر وقت، ہر معدوم و غیر معدوم کو دیکھنا ثابت نہیں ہوتا۔

⑯ مفتی صاحب نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کی طرف منسوب دو اشعار لکھتے ہیں:

’’وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ ...مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا
لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارِ مَسَبَّةٍ ...لَوَجَدْتَنِي سَمْحاً بِذَاكَ مُبِينَا
یعنی میں یقین سے جانتا ہوں کہ دین محمدی سب دینوں سے بہتر ہے، اگر ملامت اور گالیوں کا اندیشہ نہ ہوتا، تو میں اس دین کو قبول کر لیتا۔ یہ کہہ کر ابو طالب کی وفات ہو گئی۔‘‘

(تفسیر نور العرفان، ص625)

یہ اشعار باسند ثابت نہیں۔

⑰ مفتی صاحب سورت قصص (۵۶) کے تحت لکھتے ہیں:

’’صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ (ابو طالب) اللہ تعالیٰ کے نزدیک

مومن ہیں۔حضور نے حجۃ الوداع میں اپنے والدین کریمین کے ساتھ انہیں (ابوطالب کو) بھی زندہ فرما کر ایمان بخشا۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص625)

نبی اکرم ﷺ کے والدین کا دوبارہ زندہ ہونا ثابت نہیں۔اس کے متعلق ایک جھوٹی روایت پیش کی جاتی ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ إِلَى الْحَجُونِ كَئِيبًا حَزِينًا، فَأَقَامَ بِهِ مَا شَاءَ رَبُّهُ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ رَجَعَ مَسْرُورًا، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَزَلْتَ إِلَى الْحَجُونِ كَئِيبًا حَزِينًا، فَأَقَمْتَ بِهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ رَجَعْتَ مَسْرُورًا، قَالَ : سَأَلْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، فَأَحْيَا لِي أُمِّي، فَآمَنَتْ بِي، ثُمَّ رَدَّهَا .

''رسول اللہ ﷺ غم اور پریشانی کی حالت میں مقامِ حجون کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں جتنی دیر اللہ نے چاہا، قیام فرمایا، پھر خوش وخرم واپس پلٹے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا معاملہ ہے کہ آپ مقامِ حجون کی طرف غم و پریشانی کی حالت میں تشریف لے گئے تھے، پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا آپ نے قیام فرمایا، پھر آپ خوش وخرم لوٹ آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے ربّ سے دُعا کی۔اس نے میرے لیے میری والدہ کو زندہ کر دیا، وہ مجھ پر ایمان لے آئیں، پھر اللہ نے انہیں فوت کر دیا۔''

(ناسخ الحديث ومنسوخه لابن شاهين : 656، السّابق واللاحق للخطيب :

283/1، 284، الموضوعات لابن الجوزي :283/1، اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسّيوطي :244/1، الأباطيل والمناكير للجورقاني : 207)

روایت جھوٹی ہے۔

① ابو غزیہ، محمد بن یحییٰ، زہری کے بارے میں؛

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَضَعُ. ''یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔''(الضّعفاء والمتروكون : 482)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمُتَّهَمُ بِهٖ هُوَ. ''اس حدیث کو اسی نے گھڑا ہے۔''

(لسان الميزان : 91/4)

اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

② محمد بن حسن بن زیاد، ابو بکر، نقاش کے بارے میں:

❁ حافظ ابو بکر برقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كُلُّ حَدِيثِهٖ مُنْكَرٌ. ''اس کی بیان کردہ ساری حدیثیں منکر ہیں۔''

(تاريخ بغداد للخطيب : 205/2)

❁ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِي أَحَادِيثِهٖ مَنَاكِيرُ بِأَسَانِيدَ مَشْهُورَةٍ.

''اس کی بیان کردہ احادیث مشہور سندوں کے ساتھ منکر روایات ہیں۔''

(تاريخ بغداد : 202/2)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلَّذِي وَضَحَ لِي أَنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مَعَ جَلَالَتِهِ وَنُبْلِهِ مَتْرُوكٌ، لَيْسَ بِثِقَةٍ.

''جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنی جلالت وشوکت کے باوجود متروک ہے، ثقہ نہیں۔''

(تاریخ الإسلام : 36/8)

حافظ عثمان بن سعید، دانی رحمہ اللہ کا اُس کی شہادت کو مقبول قرار دینا درست نہیں۔

① خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی سند میں ابو العلاء، محمد بن علی، قاضی ہے۔ اسے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال : 654/3)

② حافظ ذہبی رحمہ اللہ ابو طالب، عمر بن ربیع، خشاب کے متعلق فرماتے ہیں:

إِنَّهٗ كَذَّابٌ. ''یہ کذاب ہے۔''

(میزان الاعتدال : 196/3)

③ علی بن احمد، کعبی [ابو القاسم، علی بن ایوب، کعبی] کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بَصَرِيٌّ مُتَّهَمٌ.

''یہ بصرہ کا رہنے والا ہے، اس پر حدیث گھڑنے کا الزام ہے۔''

(لسان المیزان : 192/4)

④ احمد بن یحییٰ ''مجہول'' ہے۔

یوں یہ روایت من گھڑت اور خود ساختہ ہے۔

اس روایت کے بارے میں ائمہ دین اور محدثین کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمائیں:

① اس روایت کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''منکر و باطل'' قرار دیا ہے۔

(لسان المیزان لابن حجر : 91/4)

② حافظ ابن الجوزی اپنے استاذ ابوفضل ناصر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ . ''یہ حدیث من گھڑت ہے۔''

(الموضوعات :284/1)

③ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ بِلَا شَكٍّ، وَالَّذِي وَضَعَهُ قَلِيلُ الْفَهْمِ، عَدِيمُ الْعِلْمِ، إِذْ لَوْ كَانَ لَهُ عِلْمٌ لَّعَلِمَ أَنَّ مَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّا يَنْفَعُهُ أَنْ يُّؤْمِنَ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، لَا بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، وَيَكْفِي فِي رَدِّ هٰذَا الْحَدِيثِ قَوْلُهُ تَعَالٰى : ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾، وَقَوْلُهُ فِي الصَّحِيحِ : اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأُمِّي، فَلَمْ يَأْذَنْ .

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔جس شخص نے اسے گھڑا ہے، وہ کم عقل اور علم سے کورا تھا۔اگر اس کے پاس علم ہوتا، تو اسے ضرور معلوم ہوتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، اس کو دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کے بعد ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے کے وقت بھی ایمان لے آئے، تو اس کے لیے مفید نہیں۔اس من گھڑت

حدیث کے ردّ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ (البقرۃ: ۲۱۷) (جو کفر کی حالت میں مر جائیں [وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں])۔ اسی طرح صحیح مسلم (۹۷۶) میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: میں نے اپنے ربّ سے اپنی والدہ کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی۔''

(الموضوعات: 284/1)

④ حافظ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بِسَنَدٍ فِيهِ مَجْهُولُونَ .

''اس سند میں کئی مجہول راوی ہیں۔''

(الرّوض الأنف: 187/2)

⑤ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ . ''یہ منکر حدیث ہے۔''

(لسان المیزان لابن حجر: 305/4)

⑥ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ كَذِبٌ، لِمَا صَحَّ مِنْ أَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اسْتَأْذَنَ رَبَّهٗ فِي الِاسْتِغْفَارِ لَهَا، فَلَمْ يَأْذَنْ لَهٗ .

''یہ جھوٹی حدیث ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ربّ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت چاہی، تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی [صحیح مسلم: ۹۷۶]۔''

(ميزان الاعتدال : 684/2)

⑦ حافظ سیوطی نے اس کی سند کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(الحاوي للفتاوي : 230/2)

۞ نیز لکھا ہے:

هٰذَا الْحَدِيثُ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْمُحَدِّثِينَ .

''باتفاق محدثین یہ حدیث ضعیف ہے۔''

(الحاوي للفتاوي : 230/2)

فائدہ:

۞ حافظ ابن دحیہ کلبی رحمہ اللہ (۶۳۳ھ) کہتے ہیں:

إِنَّ الْحَدِيثَ فِي إِيمَانِ أُمِّهِ وَأَبِيهِ مَوْضُوعٌ، يَرُدُّهُ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ وَالْإِجْمَاعُ، قَالَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ : ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾(النساء : ١٨)، فَمَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّمْ يَنْفَعْهُ الْإِيمَانُ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، فَكَيْفَ بَعْدَ الْإِعَادَةِ؟

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے (دوبارہ زندہ ہو کر) ایمان لانے والی روایت من گھڑت ہے۔ قرآنِ کریم اور اجماعِ امت اس کا ردّ کرتے ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾(النّساء : ١٨) (اور [ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی] جو کفر کی حالت میں فوت ہوتے ہیں)۔ چنانچہ جو بھی شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے، اسے مرنے کے بعد لوٹائے جانے پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے

کے بعد ایمان لائے، تو بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں، چہ جائیکہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لایا جائے۔''

(التّذكرة للقرطبي، ص 140)

❁ حافظ ابن دحیہ کا ردّ کرتے ہوئے علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لَيْسَ إِحْيَاءُ هُمَا وَإِيمَانُهُمَا بِمُمْتَنِعٍ عَقْلًا وَّشَرْعًا .

''ان کا دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانا عقلی اور شرعی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے۔''

(التذكرة، ص141)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هٰذَا كُلُّهٗ مُتَوَقَّفٌ عَلٰى صِحَّةِ الْحَدِيثِ، فَإِذَا صَحَّ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ .

''یہ ساری بحث تو حدیث کی صحت پر موقوف ہے۔ اگر اس بارے میں مروی حدیث صحیح ثابت ہو جائے، تو پھر واقعی یہ ممکن ہو گا (لیکن یہ روایت ہی من گھڑت ہے)۔''

(تفسير ابن كثير : 224/4)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا دوبارہ زندہ ہونا اور ایمان لانا ثابت نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر میں نہ ہوتا، تو میرے چچا ابو طالب جہنم کے نیچے والے طبقے میں ہوتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی کہ اہل دوزخ میں انہیں کم تر عذاب ہو گا کہ انہیں آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے، جن سے ان کا دماغ ہنڈیا کی طرح اُبلے گا۔ معلوم ہوا کہ ابو طالب شرعی مومن نہ تھے، جیسا کہ بعض ملحدین کہتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁